مرثیہ ۱

اکبر کو جب حسین سے رن کی رضا ملی
دل بڑھ گیا وہ دولت لاانتہا ملی
رخصت جہاد کی شہ والا سے کیا ملی
جو درد لاعلاج تھا اس کی دوا ملی
تسلیم ادب کرکے شہ ارجمند کو
دیکھا پلٹ کے فوج شقاوت پسند کو

۲

منظور تھی جو نصرت شبیر نامدار
آئے وغا میں سمند پہ اکبر بصد وقار
رکھ کر قدم رکاب کے حلقہ پہ استوار
یا بوتراب کہہ کے زیں پر بیٹھے سوار
مشتاق تھے جو دیر سے راہ ثواب کے
پھرتی جمائی گھوڑے کو رانوں میں داب کے

۳

لی باگ راہوار چلا تیر کی طرح
ہر نعل چمکا دھوپ میں شمشیر کی طرح
بال اڑ کے بکھری زلف گرہ گیر کی طرح
پیچھے کھنچا کھنچا ہوں میں تصویر کی طرح
چال ایکی جس نے دیکھی دل اس کا نکل گیا
آنکھوں میں پھر کے اہل نظر کی نکل گیا

۴

پہ وہ فرس ہے جس کا جہاں میں نہیں نظیر
راہو تکار و باد پیما و شیر گیر
تیزی، کڑی کمان سے رہا ہو جیسے تیر
ساتھ اس کے چل سکے یہ تیز ہو گئی ضمیر
کیا ساتھ دیتی اسپ فراست شعار کا
نقش قدم بھی مل نہ سکا راہوار کا

۵
پانی پہ جا کے اپنی بتک چال آ کر دکھائے
کوئی شکن نہ چادرِ آبِ رواں میں آئے
ایک ایک حباب آنکھوں سے پتلیاں دکھائے
لہروں کا دب کے دور و نقش نہ مٹنے پائے
ظاہر بھنور سے ہو ورس لاجواب کے
پانی پہ چار پھول پڑے ہیں گلاب کے

۶
اسوار ہیں سمند پہ اکبر بصد وقار
جاتے ہیں یا براق پہ محبوبِ کردگار
وہ حسنِ دلفریب جوانی کی وہ بہار
ضو پڑ رہی ہے چہرۂ روشن کی بار بار
سب شان مرحبا ہے نبی کے درود کی
ذروں سے آ رہی ہیں صدائیں درود کی

۷
یاں راہ میں ہے دلبرِ سلطانِ دیں پناہ
واں ہر طرف ابھی سے تلاطم ہیں بے پناہ
حالت کسی کی خوف کے بڑھنے سے ہے تباہ
زیں سے ابھر ابھر کے کوئی تک رہا ہے راہ
عاجز ہیں وزن سے تنِ خانہ خراب کے
ٹانکے سے ٹوٹے جاتے ہیں تسمے رکاب کے

۸
سن سن کے آمدِ خلفِ شاہِ نامدار
پھیلا ہے فوجِ شام میں اک طرفہ انتشار
ہیں اُن کے پیٹ سے تلاطم ہے آشکار
ساکن طبیعتیں ہیں نہ ہے روح کو قرار
چھپتی نہیں چھپانے سے بزدلی قسم بھی
دل کی دھڑک کے ساتھ لرزتے ہیں جسم بھی

۱۰۹

جاتا ہے اس طرف سے یہ غازی بصد حشم
واں پیک دور دور کے کہتے ہیں دم بدم
آ آتا ہے وہ علی کی ہے قوت جسے بہم
ہاں بھاگو زمیں پہ جمائے نہ ہو قدم
گیتی ہلے گی جنگ سے اس نامدار کی
دیوان آ گئی ہوں صفیں کارزار کی

۱۱۰

ناگاہ دور کر یہ پھر اک پیک نے کہا
لو دیکھ لو وہ آ گئے ہم شکل مصطفیٰ
باتیں ہوا سے کرتا ہے غازی کا بادپا
تیغیں ابھی سے کھینچ لو وقفہ نہ ہو ذرا
ٹھہرا ہیں ہاتھ پاؤں نہ خوف و ہراس میں
فرق آ نہ جائے رعب جری کے حواس میں

۱۱۱

یہ ذکر ختم ابھی نہ ہوا تھا کہ ناگہاں
پہنچے قریں اٹھائے ہوئے اکبر جواں
آئے جو ہیں قریب صف اِک گراں
بس کھنچ کے رہ گئی اسپ جہاں گیر کی عناں
ٹاپوں سے روندنے کا قلق دل پہ رہ گئی
گھوڑا اچھل سکے زمیں ہل کے رہ گئی

۱۱۲

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ دی شیر نے صدا
بتلاؤ کس طرف ہے بن سعد بے حیا
سردار فوج ہو کے چھپے شرم کی ہے جا
آئے نہ وہ تو اور بڑھے کوئی منچلا
نکلے وہ جلد جینے سے دل جس کا سیر ہو
دو ہات لڑ کے دیکھیں تو کیسے دلیر ہو

۱۱۳

سُن کے جنگ بہت ہوئے بیتاب اہلِ کیں
کرنے لگے درست صفوں کو عدوئے دیں
کالے نشاں بلند ہوئے بیرقیں کھلیں
باجے بجے عرب کے تو ہلنے لگی زمیں
آوازِ طبل بڑھتی ہوئی جابجا گئی
قرنا پھنکی تو گوشِ فلک تک صدا گئی

۱۱۴

لاکھوں میں ہے گھرا ہوا شہزادۂ امام
بے آب وہ ہیں اور یہ دو دن سے تشنہ کام
سوکھی ہوئی زباں پہ جاری ہے یہ کلام
اے قوم کب کے پیاسے ہیں شاہِ فلک مقام
مہمانیِ امام خوش وقات خوب کی
گھر سے بلا کے تم نے مدارات خوب کی

۱۱۵

باتوں کا اُن کی کچھ نہ کسی نے دیا جواب
لیکن پئے نبرد بڑھے خانماں خراب
آیا انھیں بھی غیظ رہی ضبط کی نہ تاب
تیوری چڑھا کے حضرت شہ نے کیا خطاب
سر پر اجل سوار ہے کچھ جانتے بھی ہو
کس کے مقابلے میں ہو پہچانتے بھی ہو

۱۱۶

ہم وہ ہیں جن کے رعب سے پہلواں جھکے
بازو قوی تھے جن کے وہ کج کل کماں جھکے
دعویٰ تھا سرکشی کا جنھیں وہ جواں جھکے
کانپی زمیں پہاڑ جھکے آسماں جھکے
ہے یہ اثر ہمارے جلال و عتاب کا
تھرّا رہا ہے خوف سے جسم آفتاب کا

۱۷

دادا کا تھا ہمارے لقب شیرِ کردگار
جن کے قدم سے پاک عرب کو تھا افتخار
ایسا قوی تھا کون ہے جس پہ سخن مدار
خندق سے کس نے فوج اُتاری بصد وقار
دستِ علیؑ پہ وزن کا مطلق اثر نہ تھا
اک پھول تھا ہتھیلی پہ خیبر کا در نہ تھا

۱۸

جس کا علی ہے نام وہ احمد کا تھا وزیر
عالم کا سرپرست غریبوں کا دستگیر
جرأت میں لاجواب شجاعت میں بے نظیر
کعبہ میں جس نے بنتِ اسد کا پیا تھا شیر
آیا ہے اور نہ آئیگا فرق ان بان میں
اُس دودھ کا رہے گا اثر خاندان میں

۱۹

مصروف تھا رجز میں یہ شہزادۂ زماں
ناگاہ تمر آ گئے یہ کرنے لگا بیاں
بیٹا کہ علی کے ڈر سے لرزتے تھے آسماں
پیدا اُن کے ذکر سے کیا فائدہ یہاں
گرتے ہوئے زمیں پہ تن و سر دکھایئے
کچھ اپنی تیغ تیز کے جوہر دکھایئے

۲۰

فوراً یہ کہہ کے ہٹ گیا وہ دشمنِ خدا
جا کر قریں صفوں کے یہ بولا وہ بے حیا
حربوں کو دیکھ بھال لو چلنے لگی ہوا
قابو میں دل رہیں تو لڑائی کا ہے مزہ
واندوں سے بل نکال کے نیزوں کو تول لو
تلواریں کھینچ کھینچ کے بازو بھی کھول لو

۲۱

کن کن کے تر تخیل کی نقش پذیر مبہم
ذہن سے بڑھا دے ہیں سر آمد جواں قدم
آمادہ نبرد ہے یاں بھی یہ ذہن مجسم
ساقی پلا دے جام کہ دفعہ شبہات ہو کم
نقشے کھنچے نظر میں صفوں کی صفائی کا
کاغذ کا ہر ورق ہو مرقع طرازی کا

۲۲

ساقی پلا وہ جام کہ دونا ہو جس سے جوش
ایسا چھکا دے آج کہ باقی رہے نہ ہوش
وہ مے پلا کہ نشہ ہو جس سے کہ عیب پوش
ہو جائے تر زبان تو دم بھر رہوں خموش
تیزی سے نثر کی یہ اثر ہو بیان میں
جھنکار تیغ تیز کی آ جائے کان میں

۲۳

ارجمند مے پرستوں پہ تیرا کرم ہو عام
مجھ پر ہوا ہے لطف نہیں اس میں کچھ کلام
لبریز ہے ہی مے سے مضموں کے مجھ کو جام
لایا میں دیکھ کر یہ عنایت جو تشنہ کام
سے آکے وہ بھی یوں مرے دل کا ایاغ ہو
جیسے کوئی چراغ جلا سے چراغ سے

۲۴

کعبہ میں جو رسول نے پائی ہے وہ شراب
ہم سب کو جو نبی نے پلائی ہے وہ شراب
اس مے سے جو آب بنائی ہے وہ شراب
جلوہ میں جس کے شان خدائی ہے وہ شراب
غفلت میں گو گئے تھے بھی خبردار ہو گئے
آدم بھی جس کے نشہ سے ہشیار ہو گئے

٢٥

ہاں ساقیا پلا دے شراب آج اے عقدہ
جس سے ہو آبِ زندگی کی سمجھے خضر
اس طرح زندہ ہر رگ و پے میں کرے گذر
غلطے پیم سے ہاتھ کی لغزش کا ہو اثر
اتنی پلا کہ حد سے گذر کے حساب کی
ٹپکیں قلم کی نوک سے بوندیں شراب کی

٢٦

ساقی وہ دے کہ رنگ اڑیں اہلِ جفا کے تیر
کھینچی علی جری نے بھی شمشیرِ بے نظیر
چمکی وہ تیغ کٹ کے ہوا دو ہر اک شریر
اول جو صف تھی ہو گئی دم بھر میں وہ اخیر
بچنا محال ہو گیا قسمت سے چیخ کے
جنگل کے غار رہ گئے لاشوں کے ڈھیر سے

٢٧

عیسیٰ جری کے حشر ہے میدانِ کارزار
یہ خوف ہے کہ جھک کے اٹھتی نہیں غبار
گیتی الٹ پلٹ ہے لرزتے ہیں کوہسار
زندہ نکالا ہے خوف سے مردوں میں ہی شمار
باقی ہو ورنہ دم تو تڑپ اٹھیں کد کریں
مٹی کے پتلے خاک کی کیا ہی مدد کریں

٢٨

چھایا ہوا ہے سب کے سروں پہ رعبِ خوف
مبہوت ہو گئے ہیں جو پی ہے شرابِ خوف
زور دلوں پہ چڑھ گئی ہے جو فصلِ شتابِ خوف
دل کانپتے ہیں لا نہیں سکتے ہیں تابِ خوف
وہ ڈر کے تیغِ تیز سے قیدِ طلسم میں
روحیں بھی چھپی پھرتی ہیں ارکانِ جسم میں

۲۹

جس صف پہ آ گئی کر کے صفائی نکل گئی
ندی لہو کی دم میں بہائی نکل گئی
سر سے گذر کے سینہ میں آئی نکل گئی
دل کاٹ کر جگر میں سمائی نکل گئی
مشتاقِ دید جو تھے وہ سر دھن کے رہ گئے
سن سن کی اک صدا تھی جسے سن کے رہ گئے

۳۰

پہلو کسی کا کاٹ کے دل سے چمٹ گئی
خونِ دل کا پی چکی تو جگر پر جھپٹ گئی
سرخی لہو کی دھار کی تیزی سے کٹ گئی
یہ کہہ کے درجِ تیغ دو سر سے لپٹ گئی
احساں کیا وہ تو نے کہ دل شاد کر دیا
عزت کی قید سے ہمیں آزاد کر دیا

۳۱

دلدوز و دلگداز بھی ہے دل شکن بھی ہے
یاد اس کو ذوالفقارِ علی کا چلن بھی ہے
حاضر جواب بھی ہے دریدہ دہن بھی ہے
معشوق کی ادا بھی ہے چھریرہ بدن بھی ہے
چلنے میں اس پری کے قیامت کی شان ہے
لوہے کا دل یہ رکھتی ہے گو دھان پان ہے

۳۲

اللہ ری تیزی و بُرِش تیغِ برق تاب
پیچ و خم سے ہے عیاں کمی معشوق کا شباب
گرمی بھی حسن دیکھ کے کہتے ہیں شیخ و شاب
اس شعلہ خو نے قلب و جگر کر دیے کباب
اُف اُف کی دیتے ہیں جو صدا بھاگ بھاگ کے
ذرے دھوئیں کے ساتھ نکلتے ہیں آگ کے

۳۳

نازل ہوئی ہے سب کے سر و نیم بلائے خوف
خوف ان کے واسطے ہے وہ سب میں بپائے خوف
دلیں گزند کسی کا نہیں اب سوائے خوف
ہیں سر نگوں نشان علم ہیں لوائے خوف
بیکل ہیں پڑ گئی ہے جو ہر اک کو جان کی
چادر بلا رہے ہیں جو ہر سے امان کی

۳۴

پیدا تھا حشر اُن کے شر میں کہ ناگہاں
نکلا پرے سے تیغ بکف ایک پہلوان
نازاں تھا اپنے زور پہ بھی وہ بدگماں
دل میں فساد طبع میں نخوت کہ الاماں
فربہ تھا جسم حد سے سوا بے شعور کا
سر میں بھرا ہوا تھا خزانہ غرور کا

۳۵

رہوار پہ سوار تھا وہ بانیِ حسد
پہلو میں ساتھ ساتھ تھا شیطاں پئے مدد
ترسندہ جس سے دیو ہوا ایسا دراز قد
حربے سجے تھے جسم پہ احمق نے لاتعد
کب تھی زرہ تفنگ کے تن پر وبال میں
تھا اژدہا پھنسا ہوا لوہے کے جال میں

۳۶

جوشن سے یوں بدن کو چھپائے ہوئے پلاس
گویا تمام جسم میں لوہے کا ہے لباس
اس پہ بھی منتشر ہیں ستمگار کے حواس
چھایا ہوا ہے جبر سے یہ نامراد پر ہراس
نزدیک سے جو دیکھتے ہیں تیور دلیر کے
دل کانپ رہا ہے پھنس کے گئے پنجے میں شیر کے

۳۷

کتنا تھا خوف بھاگ بہانے ستم شعار
کیا بھاگتا مگر کہ اجل سر پہ تھی سوار
آخر بڑھا بس ہو کے میدانِ کارزار
آیا وہ تیغِ شیر کے سہما ہوا شکار
تیغ کر نکل چلا تھا شقی منہ کو پھیر کے
لائی اجل شکست ہو کے جانب پہ پھیر کے

۳۸

مجبور ہو کے جنگ کو آیا ہے پُر دغا
بس غیظ میں ادھر سے بڑھا شاہِ کربلا
تلواریں کھنچ چکی ہیں نہیں دیر اب ذرا
ساقی پھر ایک جام چھلکتا ہوا پلا
دے پھر وہی خوشی ہے مجھے مے پرستی کی
جو پی چکی ہے جان بعہدِ روزِ الست کی

۳۹

ساقی ہزار بار یہ دل نے کہا ہے مے
اس میکدے سے مجھ کو بھی آبرو کی شے
سیکر کرم سے آج تو تیغ یہ مجھ کو ہے
جوشِ دوات میں بھی سیاہی کے بلبلے
اتنی پلا کہ ہم نہ رہیں جو حساب میں
ڈوبی رہیں قلم کی زبانیں شراب میں

۴۰

ساقی بصد ادب ہے یہ اک اور التجا
دھیان اس گھڑی مصیبتِ سرور کا آگیا
تو بھی نجف سے آکے یہاں دیکھ تو ذرا
بچے ہیں بیت پیاسے مہمانِ کربلا
وہ کے ہیں بر ظلم و ستم کے برستے ہیں
پانی کو تین روز سے بچے ترستے ہیں

''

۱۴۱

ہوتے ہیں ظلم ایک سا نہ بے شمار
پیر کا خون بہا دیا ہے ہر طرف پکار
فوجوں میں گھر گیا ہے محمد کا یادگار
سوکھے گلے پہ ہوگی رواں خنجروں کی دھار
ساقی جو تو قریب ہو اندوہ و یاس میں
محسوس کم ہو ذبح کی تکلیف پیاس میں

۱۴۲

گزرے ہیں ایک یکس و تنہا پہ یہ ستم
اصغر، دو پسر بھی گئے جانب عدم
دو بھانجے بھتیجے سدھارے بصد الم
دولھا کا آ گئے بھتیجے کا نکلا خون سے دم
سر سے کے پھول خون میں قسمت ڈبو گئی
خیمے میں ایک شب کی دلھن رانڈ ہو گئی

۱۴۳

لو اب سے قتل ہو گئے عباس نامور
غم کا پہاڑ شہ پہ گرا جھک گئی کمر
پہنچے ترائی میں جو شہ دیں بچشم تر
بھائی کا حال دیکھ کے تھرا گیا جگر
ایسا لگا یہ زخم دل دردناک پر
اک آہ کر کے جھک گئے نعش خاک پر

۱۴۴

بھیجے جو مفضل بن مجرح سے امام
لکنت تھی گو کہ بچی سے کی کلام
آقا بہت خجل ہے سکینہ سے یہ غلام
بنت نہ جانے گھر میں رہی یا نہ اے امام
باتیں یہ کرتے کرتے جہاں سے گزر گئے
پیاری سکینہ منہ سے کہا اور مر گئے

۹۵

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ باوفا
بچے ہیں اب نہ بھائی نہ ہمشکلِ مصطفا
عاجز ہیں بیبیاں بھی تیغ سے آگے ہو بانیٔ جفا
لیکن ادھر ہے کہ آیا ہے دھوم اٹھا غضب
کہنا ہے کہ ہیں یہ جاں اسے خنجر و جدالِ تشنہ کام ہیں
یہ آگئے تو پھر نہ رہیں تنہا امام ہیں

۹۶

یہ کہہ کے اور بڑھے جو بیت رسن میں اصغرِ صغیر
اس کو بھی ران میں لے کے آئے ناقۂ فلک سریر
پانی پلا دے گا حلق پہ جب آ جائے گا تیر
راہِ مدد میں ضرور دیا اسے کمسن نے سر بے نظیر
ان سے بھی آگے بڑھ کے رہا دھوپ میں کھڑا بے گلا
اصغر ہیں یہ اور رہ گئے بچہ کا صغیر

تمام شد